# نظیر اکبر آبادی اور فلسفۂ زر

ڈاکٹر محمدافضل حمید [1]، ڈاکٹر ذوالفقار علی **

**Abstract:**

"In view of the various themes of his poetry, Nazir Akbar Abadi has adopted the status of Urdu literature. Their mystical thoughts and public issues have been their special focus. Interestingly, he has also discussed human economics as a mystical philosophy. He said the economy as a matter of human life, what he said on the subject of the impact of economy on human life, the importance of these ideas in todays epic era does not look far less."

نظیرؔ، میر و سودا کے ہم عصر تھے اور جن معاشی و سماجی مسائل سے میر و سودا دوچار رہے، ان سے قدرے ملتے جلتے حالات میں نظیر اکبر آبادی زیست کرنے پر مجبور تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ میر وسودا نے دہلی کی غارت گری سے اثر لیا جبکہ نظیر آگرہ میں موجود ہونے کی وجہ سے براہِ راست غارت گری سے محفوظ رہے، البتہ دہلی کے حملوں کے سیاسی و سماجی اور معاشی اثرات سے بالواسطہ متاثر ہوتے رہے۔

جعفر زٹلی سے سودا تک کے معاصر شعرا نے معاشی بدحالی کا ذکر عموماً شہر آشوب کے ذیل میں کیا تھا، نظیر اکبر آبادی غالباً وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے عام نظموں میں بھی روپے، پیسے اور مادی وسائل کے انسانی زندگی اور سماج میں انسانی مقام و مرتبہ پر اثرات کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔

ان کی مختلف نظمیں مثلاً ''کوڑی کی فلاسفی''، ''پیسے کی فلاسفی''، ''مفلسی کی فلاسفی''، ''افلاس کا فوٹو''، ''آٹے دال کی فلاسفی''، ''روٹی کی فلاسفی'' اور ''پیٹ کی فلاسفی'' براہِ راست معاشی نظمیں ہیں۔ ان کے علاوہ آدمی نامہ یعنی ''آدمی کی فلاسفی''، ''تسلیم و رضا''، ''دنیا دارلمکافات ہے''وغیرہ اس طرز کی نظموں میں سے ہیں جن میں معاشی نظریات جزوی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ کچھ نظموں میں معاشی افکار بالواسطہ بیان ہوئے ہیں مثلاً آگرے کے کھیل تماشے اور تہوار بیان کرنے کے لیے جو نظمیں کہی ہیں اُن میں بھی انسانی زندگی پر مال و دولت کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ مختلف مناظر مثلاً برسات یا جاڑے کے بارے میں کہی گئی نظمیں یا مختلف پھلوں یا اشیا کے بارے میں جو شاعری کی ہے وہ بھی معاشی نظریات سے تہی نہیں ہے۔

نظیر پیشے کے اعتبار سے مدرس تھے، میلوں ٹھیلوں کے شوقین تھے اور قلندرانہ وضع کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، غریبوں، مفلسوں،بیکسوں اور مصیبت زدوں کی زندگیوں کا مشاہدہ بنظرِ عمیق کرتے تھے۔ اپنی طبیعت میں بے پناہ استغناتھا۔ مولانا عبدالباری آسی نے نظیر کی نواسی کے حوالے سے روپے پیسے کے باب میں ان کی بے نیازی کا ایک واقعہ یوں درج کیا ہے:

> ''ناناجان بڑے ہی سخی مزاج آدمی تھے۔ انہوں نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھوا، جہاں کہیں سے روپیہ آیا، روپیہ لانے والے سے کہا کہ اس کو رومال میں باندھ دو۔ پھر اس رومال کا ایک سرا پکڑکر ---گھرمیں ڈال جاتے--- نانی کا جس طرح جی چاہتا، خرچ کرتیں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا اورکدھرکیا۔''(۱)

---

[1] ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو: گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج اصغر مال،راولپنڈی

نظیر کے بارے میں یہ حکایت بھی معروف ہے کہ لکھنو کے نواب (غالباً واجد علی شاہ) نے ان کی شاعری کی شہرت سن کر بلا بھیجا اور قاصد کے ہاتھ بطورِ تبرک تین ہزار روپیہ بھی بھیجا۔ روپیہ نظیر نے لے کر گھر مینر کھا اورقاصد سے کہا کہ اپنے فیصلہ سے میں کل مطلع کروں گا لیکن رات بھر روپیہ کی حفاظت کے خیال سے سو نہ سکے، صبح ہوتے ہی قاصد سے کہا کہ بھائی یہ روپیہ تو بڑے بکھیڑے کی چیز ہے، چور کے ڈر کے مارے میری تو رات کی نیند حرام ہوگئی، سومجھ کو ایسی چیز لینی منظور نہیں آرام سے اپنے سوتاہوں اورخدا کا شکر بجالاتا ہوں اپنی ایسی عمدہ عافیت کو میں اتنے روپے کے لیے بیچ نہیں سکتا، یوں ٹال دیا اور نہ گئے ۔ ان کی بے نیازی کے وصف کے بارے میں مخمور اکبر آبادی رقمطراز ہیں:

''ان کا عقیدہ تھاکہ شعر دل کی تحریک سے ظہور پذیر ہو سکتا ہے نہ کہ روسا ٔ کی فرمائشوں اور حصول عطایا کی خواہشوں سے۔ شاعری ان کا شغل شوق تھا ، وہ اسے کسبِ معاش کا ذریعہ بنانا گوارا نہ کر سکتے تھے۔''(۲)

نظیر کے عہدمیں عوام الناس کے لیے معاش کے ذرائع بہت محدود تھے، تجارت،سپاہ گری اور نوکری۔ تجارت کے پھلنے پھولنے کا اس خلفشار میں کوئی امکان نہ تھا، سپاہ گری کا یہ عالم تھا کہ نوابین کے پاس سپاہیوں کو دینے کے لیے تنخواہ تو درکنار مناسب تیغ وتبر بھی نہ ہوتے تھے۔ نوکری پیشہ لوگ دووقت کی روٹی کے لیے رئیسوں کا منہ تکتے تھے اور رئیس بیچارے ساہوکار سے ادھار لے لے کر کھاتے تھے۔اس طوائف الملوکی کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ اہل ہنر تو گوشہ نشین ہو گئے جبکہ نااہل سفید وسیاہ کے مالک بن گئے۔ نظیر نے حاتمؔ،میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ اور میرحسنؔ کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے ان حالات کو اپنی شاعری میں خوب سمویا ہے، ایک مخمس جس کاعنوان ''در بیان تماشائے دنیائے دوں'' ہے، میں نااہلوں کے عروج کا نوحہ یوں بیان کرتے ہیں:

زباں ہے جس کی اشارے سے وہ پکارے ہے
جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
کلاہ ہنس کی کوّا کھڑا اتارے ہے
اُچھل کے مینڈ کی ہاتھی کے لات مارے ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے(۳)

نظیر تہذیب اور تمدن کے زوال کی نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ حکومت وسیاست میں چھچھورے لوگوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا۔ کوّے اور مینڈکی بطور علامت استعمال کرکے نظیر نے سیاسی اورذہنی زبوں حالی کو بیان کیا ہے۔

آگرہ کی معاشی بدحالی کا اندازہ نظیرؔکے ایک مخمس ''شہر آشوب'' سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس مخمس میں بے روزگاری اور اس کے نتیجہ مینجنم لینے والی مفلسی کو بیان کیا ہے جس نے عالم، جاہل، دانا، نادان، کاریگر اور اناڑی، شریف اور رذیل ہر شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔بقولِ نظیر:

ہرگھر میں اس طرح سے پھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جائے ہے جوں ا یک باربند(۴)

گویا افلاس ایک منہ زور سیلابی ریلے کی طرح تھا جو سارے معاشرے کو بہائے لے جارہا ہو۔ معاشرے کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو اس سے متاثر نہ ہوا ہو، مختلف پیشہ ور مثلاً زرکار، بنیئے، تارکش، بساطی، نانبائی، بھڑ بھونجے، دھنئے، جولاہے، کاغذی، بپویاری،کوتوال، چوکیدار، ملاح، کمان گر، شاعر، صحاف، مصور، نقاش، حجام، خدام، برہمن، صراف، جوہری، ساہوکار، پنساری، دلال، سپاہی، ملاّ۔غرض کسی بھی طبقے کا فرد ایسا نہ تھا جس کو انقلاب زمانہ نے معاشی مشکلات کا شکار نہ بنا دیا ہو۔ شاعروں کی صورتِ حال کچھ یوں تھی:

ہے اب تو کچھ سخن کا میرے کاروبار بند

رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند
ہوکس طرح نہ منہ میں زبان بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند(۵)

شاعر کی فکرکے جامد ہونے کی وجہ خلق کا بے روزگار ہونا بیان کرتے ہیں۔اس شہرآشوب میں نظیر نے واضح کیا ہے کہ متوسط طبقہ بالخصوص پیشہ وروں پر کسی بھی معاشی نظام کا انحصار ہوتا ہے جن کی تباہی دراصل پورے نظام معیشت کی تباہی ہوتی ہے۔ ان اہل ہنر کی حالت نظیر کی زبانی سنیے!

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب دبک گئے
اور ریشمی قوام بھی یکسر چٹک گئے
زر دار اٹھ گئے تو بٹئے سرک گئے
چلنے سے کام تار کشوں کے بھی ٹھک گئے
کیا بال پتلے کھینچے جو ہو جاوے تار بند
بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چُنتے ہیں
جلتے ہیں نانبائی تو بھڑ بھونجے بُھنتے ہیں
دھنئے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں
روتے ہیں جو مشروع و درائی بنتے ہیں
اور وہ تو مرگئے جو بنے تھے آزار بند
گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے
مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤسے
ردی، قلم دکاں میں نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے
یاں تک کہ اپنی چٹھی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر ایک سے ادھار بند(۶)

اس شہرآشوب میں سوداؔ اور میرؔ کی طرح نظیر نے سپاہ کی حالت زار کو بھی بیان کیا ہے۔ باقاعدہ فوج اس زمانے میں کم ہوتی تھی، سلاطین اپنے رئیسوں کے سواروں اور پیادوں پر بھروسا کرتے تھے، رئیسوں کی تباہ حالی سے فوج کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا۔ نظیر نے سپاہیوں کی خستہ حالی کا خوب مضحکہ اڑایا ہے:

کیونکر بھلا نہ مانگیے اس وقت سے پناہ
محتاج ہوجو پھرنے لگے دربدر سپاہ
یاں تک امیرزادے سپاہی ہوئے تباہ
جن کی جلو میں چلتے تھے ہاتھی وگھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار بند(۷)

نظیر سپاہونکا ٹھٹھہ اسی طرح اڑاتے ہیں جس طرح میر وسودا نے اڑایا کہ سپاہی فاقوں سے تنگ آکر اپنے گھوڑے اور ہتھیار بیچ کر در بدر پھرنے لگے ہیں سپاہیوں اور ساہوکاروں کے بیان میں تونظیر کا اسلوب مزاح کا سہارا لیتا ہے لیکن عام شہر کی تباہی کو بیان کرتے وقت ان کا لہجہ بہت المناک ہوجاتا ہے اوروہ بہت درد سے یہ حقیقت بیان کرتے ہیں:

ہے کون سا وہ دل جسے مرسودگی نہیں
وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں(۸)

نظیر اکبرآبادی نے میرؔ یا دردؔ کی طرح سیاسی اور ملکی حالات کواستعاروں یا کنا یوں میں بیان

نہیں کیا۔ ان کی نظم میں صاف گوئی ملتی ہے۔ مادیت کے انسانی زندگی پر اثرات اورمال ودولت کی کمی یا بیشی سے انسانی مقام ومرتبہ میں جو تفاوت پیداہوتا ہے نظیرؔ نے اس کا باریک بینی سے مشاہدہ بھی کیااور اپنی نظموں میں ان کو بیان بھی کیا۔ جن نظموں کے موضوعات اخلاقی یا معاشرتی ہیں ان میں بھی نظیر معاشی نقطہ نگاہ سے معاشرے کو پرکھتے ہیں۔ مثلاً اژدھے کا بچہ'' نامی نظم میں اژدھا فروش کا مسئلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی اس کے پاس موجود اژدھے کے بچے کو خریدنے پر راضی نہیں مگر اژدھا فروش کے حالات اس قابل نہیں ہیں کہ اُسے گھر لے جاکھلا پلاسکے:

ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کر لے جاویں
تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں(۹)

ایک اخلاقی نظم ''عالم گذران'' میں امیر اورغریب کی زندگی کے فرق کی تصویر کشی کرتے ہیں لیکن موت کے سامنے امیر وغریب دونوں بے بس ہیں موت طبقاتی تقسیم کو مٹا دیتی ہے، لکھتے ہیں:

گھر اپنا ہو منصب وجاگیر کا نقشہ
اور ایک کو مرمر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا

---

دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تاشاہ
سب زر کے طلب گار ہیں لے ماہی سے تاماہ
مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈے ہے کوئی جاہ
دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز ، نظیر آہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا(۱۰)

نظیر کے ہاں موت کے اس تذکرے کو ڈاکٹر سید طلعت حسین نقوی نے عوام دشمن طاقتوں کے خلاف صدائے احتجاج قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''نظیر نے طبقاتی تقسیم اورامیروغریب کے فرق کو مٹانے کے لیے جگہ جگہ موت کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ موت کا تذکرہ امیروں کے واسطے کیاگیا ہے، یعنی اگرامیر لوگ دولت جمع کرنے کے بعد اس کے بعد اس کی مساوی تقسیم نہیں کرسکتے تو موت اس کو لٹادیتی ہے۔ اس طرح کی اکثر نظمیں موت سے ڈرانے یا دھمکانے کی خاطرنہیں لکھی گئیں بلکہ یہ عوام دشمن طاقتوں کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہیں۔''(۱۱)

اپنی فلسفیانہ نظموں میں ، جو نظیر نے روپے ، پیسے اور کوڑی کی فلاسفی پر لکھی ہیں، نظیر نے اپنے معاشی افکار کو صاف صاف بیان کردیا ہے۔ ان نظموں میں وہ بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ ہو یا غلام، مفلس ہو یا فقیر، رئیس ہو یا وزیر، بوڑھا ہو یا جوان، شریف زادی ہو یا کسبی، دوست ہو یا دشمن، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، ہر کوئی مال دولت کا پرستارہے، پیسے کے لیے لوگ تعلق بناتے ہیں اور پیسے کے لیے بگاڑتے ہیں۔ پیسے کی خاطر کوئی رتھ خانہ یا طویلہ چلاتا ہے، کوئی سرمنڈا کے فقیر بنا پھرتا ہے کوئی کاندھے پر تیغ دھرے سپاہی بنا پھرتا ہے، پیسے کی خاطر لوگ جان گنواتے ہیں۔گالیاں اورمار کھاتے ہیں، شرم وحیا سے ہاتھ دھوتے ہیں۔ ملکوں ملک مارے مارے پھرتے ہیں۔ روپے پیسے کے لے مسجدیں تک ڈھا دیتے ہیں۔ گندگی میں بھی پیسہ پڑا مل جائے تو دانتوں سے اٹھا کر پلکوں پہ سجانے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ''کوڑی کی فلاسفی'' میں فرماتے ہیں:

لے مفلس اور فقیر سے تاشاہ اور وزیر
کوڑی وہ دل رُبا ہے کہ ہے سب کی دل پذیر
دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان و پیر
کوڑی عجب ہی چیز ہے میں کیا کہوں نظیرؔ
کوڑی کے سب جہان میں نقش ونگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں(۱۲)

''پیسے کی فلاسفی'' کے عنوان کے تحت نظیر کی دونظمیں ہیں ایک مخمس ہے دوسری مسدس۔ مدس کا ٹیپ کا یہ شعر تو ضربِ المثل بن چکا ہے۔

پیسہ ہی رنگ روپ ہے ، پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے(۱۳)

اس نظم میں نظیر نے بہت حقیقت نگاری کے ساتھ اپنے معاشرے کے اخلاقی زوال کو بیان ہے جہاں دُنیا کی تمام اقدار صرف روپے اور پیسے سے ناپی تولی جاتی ہیں عیش وطرب کی محفلیں، چمن کی بہاریں، رشتوں کا اعتبار، جذبوں کی سچائی سب کچھ پیسے کامرہون منت ہے، پیسے کے لیے تیغ اور سپر اٹھائی جاتی ہے، پیسے کے لیے میدان میں زخم کھائے جاتے ہیں اور پیسے کے لیے سر کو کٹایا جاتا ہے۔ دین دار بننے کے لیے اورجنت کی سیر کرنے کے لیے بھی لوگ پیسے کو ہی لازمہ قراردیتے ہیں۔

ایک نظم ''روپے کی فلاسفی'' کے زیر عنوان ہے جس میں دُنیا کی تمام رونقوں کی وجہ روپے کی دستیابی کو قرار دیتے ہیں۔ ''زر کی فلاسفی'' یا'' تلاش زر'' نامی نظم میں بھی زیست میں عشرت کی وجہ پیسے کو بتاتے ہیں اپنے معاشرے میں دولت کی عظمت ورفعت کو یوں بیان کیا ہے:

کتنے تو زر کو نقشِ طلسمات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
کتنے اسی کو قاضیِ حاجات کہتے ہیں(۱۴)

''مفلسی کی فلاسفی'' نظیر کی لافانی نظموں میں سے ایک ہے۔ نظیر نے اس نظم میں افلاس کے اثرات کو ظریفانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ مختلف پیشہ وروں اور عالموں کے علاوہ عام آدمیوں پر جب مفلسی آتی ہے تو معاشرے میں ان کے ساتھ مضحکہ خیز سکوک روا رکھا جاتا ہے۔ عالموں کا افلاس کے ہاتھوں کیا حال ہوتا ہے:

جو اہلِ فضل عالم وفاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی(۱۵)

مفلس کی خاندان یا معاشرے میں تو کجااپنے گھر میں بھی عزت نہیں کی جاتی دوست احباب اس کو پہچاننے سے انکاری ہوجاتے ہیں:

مفلس کا درد دل میں کوئی ٹھانتا نہیں
مفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں
صورت بھی اس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اس کو گراتی ہے مفلسی(۱۶)

محفلوں اور مجلسوں میں لوگوں کی توقیر ان کے علم وفضل کی بجائے روپے پیسے کے زور پر ہوتی ہے اور مفلس اگر صاحبِ علم بھی ہوتو محفلوں میں جوتیوں پر بٹھایا جاتا ہے:

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی

تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی(۱۷)

افلاس کی یہ کیفیت نظیرکے عہد میں اقدار کے زوال کے سبب ہوئی۔ اور شرافت اور نجابت کی بجائے مال اوردولت عزت اور توقیر کے پیمانے قرار پائے ۔ محمد و لی الحق انصاری نظیر کی نظموں کے معاشی موضوعات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''---نظیر کی کئی نظمیں قوتِ خرید کے ذرائع، یعنی زر ، روپیہ پیسہ ، کوڑی پر بھی ملتی ہیں۔ (۱۸)''

'' افلاس کا فوٹو ''اور '' آٹے دال کی فلاسفی'' کے عنوان کے تحت لکھی گئی دونظموں میں بھی اپنے معاشرے کے حالات بیان کرتے ہیں کہ ہر طبقے کا فرد خواہ وہ کوئی ہو آٹے دال کے جنجال میں پھنسا ہوا ہے اور دووقت کی روٹی کے لیے پاپڑ بیلتا ہے۔ دووقت کی روٹی انسان کو کس طرح تگنی کا ناچ نچاتی ہے اسے نظیر نے ''روٹی کی فلاسفی'' میں ظریفانہ رنگ میں پیش کیا ہے۔ معاشرے کی ناہمواریوں پر انہیں جو کرب محسوس ہوتا ہے اسے وہ ناگوار اور تلخ نہیں بناتے بلکہ مزاح اور ظرافت کے ذریعے خوشگوار بنادیتے ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''نظیر کے کلام میں خوش طبعی اورخوش باشی ایک بنیادی عنصرہے۔ ایسی معاشی تنگ حالی میں بھی وہ فقرے بازی اور پھبتی سے نہیں چوکتے ''(۱۹)

مضحک انداز بیان اختیار کرکے نظیر اپنے موضوع کی تلخی کو کم کردیتے ہیں۔ روٹی جو روپے پیسے کے عوض ہی حاصل ہوتی ہے انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے،نظیر ا س کی کچھ حالتیں بہت تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

جب آدمی کے پیٹ میں ا ؔتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں(۲۰)

روٹیاں صرف پیٹ بھرنے یا چولھا گرم رکھنے کے کام نہیں آتیں، معرفتِ نفس اور عرفانِ حق بھی اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب پیٹ بھرا ہوا ہو:

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں(۲۱)

اس روٹی کوکمانے کے لیے سو سوجتن کے جاتے ہیں۔ یہاں تک کے لوگ اپنے بھائی بندوں کے ساتھ ، فریب اور جعلسازی سے باز نہیں آتے، یہی طلب معاش انسان کوضمیر فروشی، بے شرمی اور بے غیرتی ہر مجبور کردیتی ہے۔ جن طوائفوں کو معاشرہ ذلیل وخوار سمجھتا ہے وہ اسی معاشی نظام کا شکار ہیں۔

''چپاتی کی فلاسفی''، ''پیٹ کی فلاسفی'' اور ''آدمی کی فلاسفی'' وغیرہ وہ نظمیں ہیں جو نظیر کے معاشی افکار کی آئینہ دار ہیں۔ ان نظموں میں صرف موضوعات،مضامین یا الفاظ تبدیل ہوئے ہیں نظیر کے خیالات یکسانہیں کہ روپے پیسے کی خاطر انسان کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ نظم ''زر کی فلاسفی'' کا ایک شعر ہے:

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر[۲۲]

یہ وہ عمومی روّیہ ہے جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد عامتہ الناس میں پیدا ہوا اور تاحال برصغیر کے لوگوں کے اذہان میں کسی نہ کسی صورت میں، اور کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔نظیر نے اردو نظم کو جو ہجویات اور شہرآشوب کے صورتوں میں معاصر حالات کی ترجمانی کرتی تھی مکمل طور پر اپنے معاشرے اور عوامی نفسیات کا آئینہ دار بنا دیا۔

اقبال اور ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثرلکھی جانے والی نظموں میں طبقاتی تقسیم اور مال ودولت کے انسانی طبائع پر اثرات کے مضامین عالمی تحریکوں کے رجحانات کے ماتحت ہیں لیکن نظیراکبر آبادی وہ باکمال شاعر ہے جس نے ذاتی مشاہدے اورنفسیاتی ژرف نگاہی کے باعث مال واسباب اور روپے پیسے کے انسانی اخلاقیات پر اثرات کو اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ ایک باقاعدہ فلسفۂ حیات بنادیا۔

# حوالہ جات


۱۔ آسی، مولانا عبدالباری، مقدمہ مشمولہ: کلیاتِ نظیر اکبر آبادی، لکھنؤ: رام کمار پریس بک ڈپو، ۱۹۵۱ء، ص۱۱
۲۔ محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی،سیّد،روحِ نظیر ،لکھنؤ: اُترِ پردیش اردو اکادمی، ۱۹۷۸، ص:٦
۳۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر اکبرآبادی، مرتبہ: مولانا عبدالباری آسیؔ، لکھنؤ: رام کمار پریس بک ڈپو، ۱۹۵۱ء ص:۳۳۰
۴۔ ایضاً، ص۳٦۵
۵۔ ایضاً،ص۳٦۵
٦۔ ایضاً، ص۳٦٦
۷۔ ایضاً، ص۳٦۹
۸۔ ایضاً، ص۳۷۰
۹۔ ایضاً، ص۳۷۹
۱۰۔ ایضاً، ص۵۱٦
۱۱۔ طلعت حسین نقوی، ڈاکٹر سیّد، نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۱ء، ص۲۰
۱۲۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیراکبر آبادی، ص ۳٦۵
۱۳۔ ایضاً، ص٦۴۷
۱۴۔ ایضاً، ص٦۵۳
۱۵۔ ایضاً، ص٦۵۷
۱٦۔ ایضاً، ص٦٦۰
۱۷۔ ایضاً، ص٦٦۱
۱۸۔ محمد ولی الحق انصاری، نظیر اکبر آبادی بحیثیت نظم نگار، مشمولہ:نظیر اکبر آبادی ایک منفرد شاعر مرتبہ:پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی،دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ ، ۲۰۱۰ء، ص:۷۵
۱۹۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی: اُن کا عہد اور شاعری، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۷ء، ص۱۸
۲۰۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر اکبر آبادی، ص٦٦٦
۲۱۔ ایضاً، ص٦٦۷
۲۲۔ ایضاً، ص٦۵۳